اسلام میں روح آزادی

ابراہیم حداد[1]

اسلام سے قبل ایک عرب اپنی آزادی و حریت کو زندگی کی سب سے بڑی متاع سمجھتا تھا۔ اور وہ اس سے متمتع ہونے کے لئے ہر نعمت کو چھوڑنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ لیکن اس کا یہ جذبۂ حریت انفرادی یا زیادہ سے زیادہ قبائلی تھا۔ اور قبیلے سے بھی اس کی وفاداری اسی وقت تک قائم رہتی تھی جب تک وہ اس کی شخصی آزادی میں زیادہ مخل نہ ہوتی تھی۔ اسی لئے ایک قبیلے کے افراد جیسے جیسے بڑھتے، وہ مختلف شاخوں میں تقسیم ہوتے جاتے تھے تاکہ قبیلے کا وجود افراد کی آزادی میں زیادہ مانع نہ ہو سکے اور وہ اپنی من مانی کرتے رہیں

عربوں کا یہ جذبۂ آزادی حقیقت میں اسلام کے آنے سے پہلے ان کے لئے ایک مصیبت بن گیا تھا! اس نے فعلاً ان کے ہاں انارکی اور بزاج کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ہر قبیلہ دوسرے کے خلاف برسرِ پرخاش رہتا۔ بلکہ خود ایک قبیلے میں ایک دادا کی اولاد ایک ساتھ نہیں رہ سکتی تھی اس کی وجہ سے عربوں میں اجتماعیت کا فقدان تھا۔ یہاں تک ان کا کوئی قبیلہ یہ بھی گوارا نہ کرتا تھا کہ وہ دوسرے قبیلے کے "اِلٰہ" کو پوجے۔ اس لئے ہر قبیلے کا

---

[1] "الحریۃ عند العرب" مصنفہ ابراہیم حدّاد سے تلخیص و ترجمہ۔ اس کتاب کے سرورق پر حضرت عمر بن الخطاب کا یہ قول ــــ متی استعبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احراراً (تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنا لیا ہے، درآں حالیکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔ بڑے نمایاں طور پر دیا ہے۔

(مدیر)

اپنا مخصوص بُت ہوتا، اور وہ اسی کی عبادت کرتا۔

اسلام نے نہ صرف عربوں کے اس جذبۂ حریت کو نظم وضبط کا پابند بنایا، بلکہ انہیں اجتماعیت بھی بخشی، چنانچہ جب وہ مسلمان ہو کر جزیرۂ عرب سے باہر نکلے ہیں۔ تو جہاں بھی وہ گئے محکوم اقوام اور پسے ہوئے عوام کی آزادی کے علم بردار بنے اور ان کا فطری جذبۂ آزادی دوسروں کی آزادی کا پیغام بر بنا۔ مشہور فرانسیسی مورخ ارنسٹ رینان (۱۸۲۳ء - ۱۸۹۲ء) اپنی کتاب "تاریخ لغات سامیہ" میں لکھتا ہے :-

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے عربوں کی کوئی قابل ذکر سیاسی تہذیبی اور دینی تاریخ نہ تھی اور نہ جزیرہ عرب کی قدیم زمانے میں جب کہ وہ جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ کوئی حیثیت تھی عربوں کی قوت و عظمت اور ان کے فضائل کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے بعد چھٹی صدی عیسوی ہی میں ظہور ہوا ہے"

غرض جب اسلام نے دین کے جھنڈے کے نیچے عرب قبائل کو متحد کیا تو ان کی قدرتی صلاحیتیں ظاہر ہوئیں۔ اور آزادی کا ان کے اندر جو جوہر تھا وہ ایک اعجوبہ دہر کی حیثیت سے نمایاں ہوا۔ چنانچہ ایک سو سال سے بھی کم عرصے میں یہی عرب جو جزیرۂ عرب کے اندر آپس میں گتھم گتھا ہوتے رہتے تھے، ایک عظیم مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے، انہوں نے ایک شاندار تہذیب کی بنیاد رکھی اور جن قوموں پر وہ غالب آئے ان کو انہوں نے حریت، حق اور عدل کا سبق پڑھایا۔ اور ان کے اندر نئی زندگی پیدا کی۔

ظہور اسلام کے وقت ایران اور بازنطینی دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ جو دنیائے قدیم کے ایک بڑے حصّے پر قابض تھیں۔ بے شک ان میں سے ہر ایک سلطنت کی اپنی مخصوص تہذیب، اور انسانی زندگی۔ اجتماع اور حریت کے متعلق اپنی قدریں تھیں۔ اب عربوں نے جہاں ان دونوں سلطنتوں کو ختم کیا، وہاں ایک کام یہ بھی کیا کہ ان سلطنتوں کے عوام میں آزادی کی روح پھونکی اور ان کے دلوں میں غیرت انسانی کی چنگاری روشن کی، جو ان کے لئے نعم البدل ثابت ہوئی اس اقتدار اور حکومت کی۔ جس سے کہ وہ عربوں کے ہاتھوں محروم ہو گئے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی فتوحات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ان ملکوں میں بڑے بڑے عالم، ادیب، شاعر اور فلسفی پیدا ہوئے چنانچہ جب مامون الرشید نے دوسری زبانوں کے علوم کو عربی میں منتقل کرنے کے لئے بغداد میں دارالترجمہ قائم کیا تو اس کا سربراہ حنین بن اسحاق مقرر ہوا۔ منصور عباسی کا طبیب خصوصی ایک عیسائی جیورجیس

بن بختیشوع تھا۔ اور اس کے منجم نوبخت فارسی اور اس کا بیٹا ابو سہل تھے۔ منصور کے بیٹے مہدی کا منجم ایک لبنانی عیسائی تیوفیل ابن توما تھا۔ اس نے تاریخ پر کتابیں لکھیں، اور یونانی شاعر ہومر کا سریانی میں ترجمہ کیا۔ اسی طرح اور بہت سے غیر عرب اور غیر مسلم فلسفی اور طبیب تھے، جن کو خلفائے عباسیہ نے بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا۔ اور اسی طرح وہ تہذیب بردمند ہوئی۔ جو اسلامی اور عرب تہذیب کے نام سے مشہور ہے۔

مختصراً آزادی و حریت کا وہ جذبہ جو عربوں میں مدتوں سے موجود تھا۔ جب اسے اسلام کی سرپرستی حاصل ہوئی اور عرب اس سے بہرہ ور ہو کر باہر نکلے اور شرق و مغرب میں انہوں نے فتوحات کیں تو اس کے طفیل ایک ایسی تہذیب وجود میں آئی جس میں علوم و فنون، ادب و ثقافت اور حکمت و فلسفہ کو خوب فروغ ہوا۔ اب اگر عرب اسلام کی اس نعمت سے سرفراز نہ ہوتے، اور ان کے فطری جذبۂ آزادی کو اسلام کی رہنمائی نہ ملتی تو ایرانی اور بازنطینی سلطنتیں ختم ہوتیں، نہ ان کے عوام اس شکنجے سے نکلتے، جس میں کہ وہ مقید تھے، اور نہ وہ تہذیب وجود میں آتی جس کی روشنی کی شعاعیں بعد میں یورپ پہنچیں، اس کا اندھیرا چھٹا، اور وہاں نشاۃ ثانیہ کی تحریک شروع ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے افراد کی آزادی کو ایک نظم و ضبط دیا، اور ان پر ایسی پابندیاں عائد کیں کہ افراد کی آزادی اور اجتماع کی آزادی میں ہم آہنگی ہو، اور دونوں مل کر مفید کام کر سکیں۔ اسی ہم آہنگی کی وجہ سے اسلام کے دور اوّل میں عربوں کو سربلندی نصیب ہوئی، اور وہ ایک مدت مدید تک دوسری قوموں کے رہنما و استاد بنے رہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اسلام اپنے آپ کو دوسروں سے زبردستی نہیں منواتا۔ بلکہ وہ انہیں قائل اور مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ زبردستی کرنا آزادی کے نقیض ہے اور دوسرے کو قائل اور مطمئن کرنا مظاہر آزادی میں سے ایک مظہر ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے :۔ لا اکراہ فی الدین (دین میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں) ایک اور آیت ہے :۔ وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (تو کہہ دے کہ تمہارے رب کی طرف سے حق آیا ہے، پس جو چاہے اس پر ایمان لائے، اور جو چاہے اس کا انکار کرے) یہ آیات قطعی طور پر دین میں جبر و اکراہ کی نفی اور آزادیٔ ضمیر کا جو کہ اسلام کی ایک اساس ہے اثبات کرتی ہیں بعد کے زمانے میں بعض مفسرین نے ان آیات کو، "آیت فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (جہاں بھی تمہیں مشرکین ملیں، انہیں قتل کرو) سے منسوخ قرار دیا ہے، لیکن شیخ محمد عبدہ اور ان کے استاد

علامہ جمال الدین افغانی نے ان مفسرین کی بڑے محکم دلائل سے تردید کی ہے [۱] اور دین میں جبر و اکراہ کی نفی کی تائید میں ابن عباسؓ سے ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور ابن جریر نے روایت کی ہے، وہ سند کے طور پر پیش کی ہے۔ اور وہ یہ ہے:-

"آیتہ لا اکراہ فی الدین" انصار کے قبیلے بنو سالم بن عوف میں سے ایک شخص کے بارے میں اتری ہے جس کا نام الحصین تھا۔ وہ خود تو مسلمان تھا، لیکن اس کے دو بیٹے عیسائی تھے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کیا میں انہیں مجبور نہ کروں۔ وہ عیسائیت سے انکار کرنے کو تیار نہیں ہو رہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ بعض تفسیروں میں آیا ہے کہ اس شخص نے اپنے بیٹوں کو اسلام لانے پر مجبور کیا، اور جب ان میں نزاع ہوئی۔ تو وہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑا لے کر آئے۔ اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں دیکھتا رہوں، اور میرے جگر گوشے دوزخ میں جائیں، تو اس پر یہ آیت اتری سعید بن جبیرؓ روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے ساتھیوں کو اختیار دیا ہے۔ اگر وہ تمہیں اختیار کرتے ہیں، تو وہ تم میں سے ہیں۔ اور اگر وہ انہیں اختیار کرتے ہیں تو وہ ان میں سے ہیں۔ نیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں مشرکین مکہ مسلمانوں پر طرح طرح کی سختیاں کر کے انہیں دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے تھے اور مشرکین اپنی ان حرکات سے باز نہیں آتے تھے۔ بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ ہم بھی اسلام کے لئے لوگوں کو مجبور کریں۔ چنانچہ یہ آیت لا اکراہ فی الدین اتری۔ اس سے پہلے "ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعاً افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین" (اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں جتنے بھی ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے۔ پس کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ ایمان لائیں) علاوہ ازیں علمائے اسلام کا اس پر اجماع ہے، کہ جس شخص کو بہ جبر و اکراہ ایمان پر مجبور کیا جائے۔ اس کا ایمان باطل اور غیر صحیح ہے اور آیات ادفع بالتی ھی احسن" اس طریقے

---

[۱] "الحریتہ الدینیتہ فی الاسلام" از عبدالمتعال صعیدی استاد جامعہ ازہر

سے جواب دو جو زیادہ اچھا ہے) او جادلھم بالتی ھی احسن" (ان سے زیادہ اچھے طریقے سے بحث کرو) اس امر کی تائید کرتی ہیں۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسے واقعات ہوئے۔ جو قطعی طور پر بغیر کسی شک و شبہ کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپؐ کے زمانے میں مذہبی آزادی اور اعمال و معاملات کی آزادی تھی، مثلاً کعب الاحبار یہودی مدینہ میں رہتا تھا۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے امور دین میں بحث کیا کرتا تھا، لیکن کسی نے اسے اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا۔ وہ خلافت عثمان بن عفان تک اپنی یہودیت پر قائم رہا۔ اسی طرح نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے مرض الموت کے دوران کا اپنا ایک واقعہ حریت و مساوات کی تاریخ میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ آپؐ حالت بیماری میں حضرت عائشہ کے ہاں قیام فرماتھے، ایک دن آپ فضل بن عباس اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لے گئے، اور منبر پر بیٹھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے بعد فرمایا:۔ اے لوگو اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کوڑے لگائے ہوں، تو یہ میری پیٹھ ہے۔ وہ اس کا بدلہ لے لے۔ اور اگر میں نے کسی کو برا بھلا کہا ہو، تو وہ مجھے برا بھلا کہہ لے اور بدلہ لے لے۔ اور اگر میں نے کسی سے کوئی مال لیا ہو، تو میرا مال موجود ہے، وہ اس سے لے لے۔ اور میری طرف سے کسی کینے کا اسے ڈر نہ ہو، کیونکہ یہ میری طبیعت میں داخل نہیں پھر آپؐ منبر سے نیچے اترے نماز ظہر ادا کی۔ اور دوبارہ منبر پر چڑھے اور وہی باتیں دہرائیں۔ اس پر ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا کہ آپؐ کے ذمے میرے تین درہم ہیں۔ آپؐ نے وہ ادا کر دیئے اور فرمایا اس دنیا کی فضیحت آخرت کی فضیحت سے آسان ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے جنگ احد کے شہداء کے لئے دعا کی، اور واپس حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔

یہ تھی آزادی و حریت کی وہ روح، جو درحقیقت بنیاد تھی اسلام اور اسلام کی دعوت کی، اور اوپر کے واقعہ میں رسول اکرم علیہ الصلوۃ والسلام نے خود اپنے عمل سے لوگوں کو بتایا کہ ان سب کے ایک سے حقوق ہیں اور وہ عزت نفس کے معاملے میں سب برابر ہیں۔ اور اس میں بڑے اور چھوٹے کی تمیز نہیں۔ خلفائے راشدین اسی اسوۂ حسنہ پر چلے، اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا عہد سرزمین مشرق میں آزادی و حریت کا عہد تھا جس سے

دوسری قومیں متاثر ہوئیں۔ اور انہوں نے اسے اپنایا اور اس طرح بعد کی صدیوں میں ایک عظیم تہذیب وجود میں آسکی۔

یہ آزادی و مساوات صرف مسلمانوں کے لئے نہیں تھی، بلکہ اس عہد میں وہ نصاریٰ جو حجاز، شام اور عراق میں آباد تھے، وہ بھی اس سے برابر متمتع ہوتے رہے۔ انہی کے بارے میں قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں :- وقفینا علیٰ آثارھم بعیسی بن مریم مصدقاً لما بین یدیہ من التوراۃ واتیناہ الانجیل فیہ ھدی ونورٌ ومصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ وھدی وموعظۃ للمتقین ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون (ان کے بعد ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا۔ وہ تصدیق کرتا تھا تورات کی، جو اس سے پہلے تھی۔ اور ہم نے اسے انجیل دی جس میں ہدایت اور نور ہے اور وہ تصدیق کرتی ہے تورات کی، جو اس سے پہلے تھی۔ اور وہ ہدایت اور نصیحت ہے متقیوں کے لئے۔ انجیل والوں کو چاہیئے کہ جو کچھ اللہ نے اس میں اتارا ہے، اس کے مطابق فیصلہ دیں، اور جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا، وہ فاسق ہیں) اور ایک اور آیت ہے :- ان الذین آمنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصابئین من آمن باللہ والیوم الاخر وعمل عملاً صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوفٌ علیھم ولا یحزنون (وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو یہودی نصاریٰ اور صابئین ہیں۔ جو ایمان لایا اللہ پر، یوم آخرت پر اور اس نے عمل صالح کئے۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ ان کے لئے کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غم کریں۔) اور ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن (اہل کتاب سے بحث کرو تو وہ طریقہ اختیار کرو، جو زیادہ اچھا ہے) قرآن مجید کے یہی وہ ارشادات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی وہ اسوہ اور خلفائے راشدین کا ان کے مطابق عمل تھا، جس کی بنا پر مشہور مصنف بعبرنسون اپنی کتاب "تاریخ شارلکان" میں لکھتا ہے :- یہ صرف مسلمان ہی تھے جو جہاد کو اور دوسرے مذاہب کے ساتھ جو ان سے مغلوب ہوئے، رواداری کو باہم جمع کر سکے۔ اور انہوں

نے دوسرے مذاہب والوں کو اپنے شعائر دینی بجالانے میں پوری آزادی دی"۔ ایک اور مورخ میشو د نے اپنی کتاب تاریخ حروب صلیبی میں لکھا ہے۔ اسلام نے جہاں ایک طرف جہاد کا حکم دیا ہے وہاں ساتھ ہی وہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری کا حکم دیتا ہے چنانچہ اس نے پادریوں، راہبوں اور ان کی خدمت کرنے والوں کو ٹیکسوں سے مستثنےٰ قرار دیا۔ اور خاص طور سے راہبوں کو جو کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے وقف ہیں قتل کرنے سے سختی سے منع کیا۔ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے جب بیت المقدس فتح ہوا، نصاریٰ کو چھوا تک نہیں تھا۔ یہی مصنف میشود جو راہب ہے اپنی ایک اور کتاب مشرق میں ایک دینی سیاحت" میں لکھتا ہے:۔ "اور یہ افسوس کی بات ہے کہ عیسائی قومیں رواداری، تقویٰ، دوسروں کے عقائد کا احترام اور زبردستی دوسرے پر اپنا عقیدہ نہ تھوپنے کا طریقہ مسلمانوں سے لیں"

"نظریہ وحدت الوجود میں اعتقاد کا اثر علمی زندگی پر بہت گہرا پڑتا ہے اس پر اعتقاد رکھنے والا بلند نظر، اس کی ہمدردیاں وسیع اور اس کے مقاصد اعلیٰ ہو جاتے ہیں رواداری اس کا مزاج بن جاتی ہے۔ اور وہ ہر نظریہ ہر خیال اور ہر تصور کو ہمدردانہ طور پر دیکھنے لگتا ہے۔ اس لئے کہ اس نظر میں حقیقت تو ایک ہی ہے یہ نظریہ بالخصوص ایسے ممالک کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے، جہاں دوسرے مذاہب کے پیرو بھی موجود ہوں۔ اس نظریہ کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ واشاعت بہت سلیقہ اور صحیح طور پر ہو سکتی ہے۔"

(جمیل جالبی)